فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کی علمی و ادبی خدمات

ڈاکٹر گلشن طارق

Dr. Gulshan Tariq
Dean Faculty of Languages
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Fort William College was the training centre for English Officers that was established to teach them native language. This institution also had tremendous services in promoting Urdu language. In this thesis the books of the authors of Fort William College will be analyzed critically. The books on linguistics, narrative literature, narration, religion and on morality are specifically included. The focus in these books is particularly on the use of simple diction. These books are also very useful manuscripts for the storage of different words (vocabulary).

فورٹ ولیم کالج کے قیام (۱۰ جولائی ۱۸۰۰) سے قبل کی تعلیمی سرگرمیوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور عیسائی مشنریوں کی کاوشیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ایس انڈیا کمپنی ایک تجارتی ادارہ تھی۔ اس کا پہلا جہاز ۱۶۰۱ء میں ہندوستان آیا تھا۔ اپنے ابتدائی دور میں کمپنی نے قدرتی طور سے تجارت کے فروغ کی جانب زیادہ توجہ کی۔ ہندوستانی عوام کو تعلیم اور فلاح و بہود سے اسے کوئی سروکار نہ تھا لیکن تجارتی جدوجہد کے اس دور میں بھی کمپنی کی تعلیمی سرگرمیوں کی کچھ جھلکیاں ملتی ہیں۔ یہ سرگرمیاں کمپنی کے زیرِ اقتدار علاقے میں تبلیغ مذاہب اور اس سے متعلق تعلیم تک محدود تھیں۔ اس دور میں تبلیغ مذہب اور عیسائیت کی تعلیم کاوشوں ہی کو ہندوستانی عوام کی تعلیم سے تعبیر کیا گیا۔

فورٹ ولیم کالج کا قیام اور اس کے استحکام سے متعلق تمام کاوشوں کا سہرا گورنر جنرل لارڈ ویلز لی (Lord Wellesley) کے سر ہے۔ گورنر جنرل ویلز لی کا عہد آتے آتے مغلیہ سلطنت کے انحطاط کے ساتھ ساتھ فارسی کا بھی زوال ہو رہا تھا۔ ویلز لی نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی مقامی حکمرانوں کو مغلوب کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں۔ خوش قسمتی سے اسے ہر سیاسی محاذ پر فتح حاصل ہوتی گئی اور یوں جنوبی ہند سے لے کر شمالی ہند میں لکھنو کے نواب و وزیر تک کو اس نے اپنی پالیسیوں کے دام میں اسیر کر لیا۔ اس کے بعد ویلز لی نے محسوس کیا کہ اتنے وسیع علاقے پر قبضہ کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اسے منظّم رکھنے اور حکومت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ حکمران طبقہ یہاں کی زبان اور تہذیب سے بخوبی واقف ہو۔ اسی نکتے نے

اس پر مشرقی زبانوں کی اہمیت ظاہر کی چنانچہ ہیسٹنگز اور ڈنکن کی طرح اس نے انڈین سول سروس میں داخل ہونے والے ملازمین کے لئے فارسی کی تعلیم اور روزانہ کے استعمال کے لئے ہندوستانی کی واقفیت پر زور دیا۔ ان ایام میں صورت حال یہ تھی کہ فارسی عوامی زندگی سے خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہوگئی ہو لیکن دفتروں اور عدالتوں میں اس کی عملداری پھر بھی قائم تھی۔ (۱)

آسان اور عام فہم اردو نثر کے آغاز اور ارتقا میں فورٹ ولیم کالج کی خدمات کو اولیت بھی حاصل ہے اور اہمیت بھی۔ یہ کالج ۱۸۰۰ء میں اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ ہندوستان میں نووارد انگریزوں کو یہاں کی زبان اور معاشرت سے واقفیت ہو جائے کیونکہ: ’’برطانوی قوم کے مقدس فرض، ان کے حقیقی مفاد، ان کی عزت اور ان کی حکمت عملی کا اب یہ تقاضا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی سلطنت کے حدود میں عمدہ عمل داری قائم کرنے کے لئے مناسب اقدام کئے جائیں۔‘‘ اور عمدہ عمل داری قائم کرنے کیلئے لارڈ ویلز نے سب سے اہم اور مفید کام فورٹ ولیم کالج کا قیام سمجھا، اس نے تعلیم کا ایک وسیع منصوبہ بنایا اور نصاب تعلیم میں ریاضی، تاریخ، جغرافیہ، سائنس، معاشیات، مغربی اور مشرقی زبانیں، قوانین وغیرہ کو داخل کیا۔

فورٹ ولیم کالج کے ریگولیشن کے تحت کالج میں عربی، فارسی ہندوستانی، سنسکرت، مرہٹی اور کٹری زبانوں کے شعبے قائم کئے گئے۔ اس کے علاوہ اسلامی فقہ، ہندو دھرم، اخلاقیات، اصول قانون، برطانوی قانون، معاشیات، جغرافیہ، ریاضی، یورپ کی جدید زبانیں، انگریزی ادبیات، جدید وقدیم تاریخ ہندوستان دکن کی قدیم تاریخ۔ طبیعات، کیمسٹری اور علوم نجوم وغیرہ کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا تھا۔ کالج میں مشرقی زبانوں کی تعلیم پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ اس لئے السنہ شرقیہ کے شعبوں میں انگریز پادریوں کے علاوہ پروفیسروں کی مدد کے لئے شعبے میں منشی اور پنڈت بھی مقرر کئے گئے تھے۔ فورٹ ولیم کالج نے اپنے مختصر زمانے میں جو لٹریچر پیدا کیا اور جتنی کتابیں تصنیف، تالیف اور ترجمہ کرائیں، زبان واسلوب کے لحاظ سے وہ عام فہم اور مفید تھیں۔ فورٹ ولیم کالج کے مصنفین سے زیادہ تر ایسی کتابیں لکھوائی گئیں جو عام دلچسپی یعنی تعلیمی، اصلاحی، اخلاقی، تاریخی ہوں۔ جن سے ہندوستان کے مذہبی، سماجی، معاشی، حالات معلوم ہوں، زبان عام فہم، دلچسپ اور رواں ہو۔ اسلوب، سیدھا سادا اور سلجھا ہوا ہو۔ فورٹ ولیم کالج کے جن مشاہیر نے علم وادب کے فروغ میں ایک اہم کردار ادا کیا، ذیل میں ان کے کاموں کا اجمالی جائزہ لیا جاتا ہے۔

فورٹ ولیم کالج کے شعبہ ہندوستانی کے مصنفین میں سے سرفہرست گلکرسٹ کا نام ہے۔ وہ بطور ڈاکٹر ہندوستان آئے۔ اور یہاں کی زبان سیکھی کیوں کے اس کے بغیر وہ یہاں اپنے پیشے کو بخوبی سرانجام نہیں دے سکتے تھے۔ جان گلکرسٹ نے چار سال تک اس کالج میں خدمات سرانجام دیں، چار سالہ قیام میں انھوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ کلکتہ سے ہی ۱۷۹۶ء میں ’’ہندوستانی زبان کے قواعد‘‘ شائع ہوئی۔ ۱۷۹۸ء میں گل کرسٹ کے دو کارنامے سامنے آئے۔ اول لغت اور قواعد کا ضمیمہ (Appendix) اور دوم ’’مشرقی زبان داں‘‘ (Oriental Linguist) ضمیمہ میں گل کرسٹ نے اپنے قیام ہندوستان کی روداد بیان کی ہے۔ اسی ضمیمہ میں ہندوستانی اور انگریزی لغت کا پہلا حصہ شامل ہے اورینٹل لنگوسٹ میں انگریزی اور ہندوستانی، ہندوستانی اور انگریزی فرہنگ (Vocabulary) کے علاوہ ’’ہندوستانی ٹیلز‘‘ (Hindoostani Tales) کے عنوان سے رومن اور انگریزی میں ہندوستانی کہانیاں درج ہیں ’’Hinoostani Odes‘‘ کے ذیل میں میر درد اور سودا کی غزلیں ہیں۔ ان کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ گل کرسٹ نے غزلوں کو گانے کے لئے موسیقی کا اسکیل بھی پیش کیا۔ شعبہ ہندوستانی میں بحیثیت پروفیسر اور ہیڈ (صدر) گل کرسٹ کے تقرر کی تاریخ شاردا دیوی دید النکار نے یک نومبر ۱۸۰۰ء بتائی

ہے۔ ان کی ایک کتاب The Britishindian Monitor اڈنبرا سے شائع ہوئی۔ اس میں Anti-Jargonist اور Oriental Linguist کے علاوہ اور بہت سی دوسری کتابوں کے اجزا شامل تھے۔ گریرسن نے گل کرسٹ کی ایک کتاب ہندوستانی زبان کی قواعد کا ذکر کیا ہے۔ یہ کلکتہ سے ۱۸۰۹ء میں چھپی۔ ممکن ہے کہ یہ ۱۷۹۶ء والی قواعد کا کوئی ایڈیشن ہو۔ یہ مخطوطہ ۸۲ اوراق پر مشتمل ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں موجود ہے۔ گل کرسٹ کی ''Hindoostani Philology'' کے دو ایڈیشنوں کا ذکر ملتا ہے۔ اول ۱۸۱۰ء کا اور دوسرا ۱۸۲۵ء کا۔ ''Parliamentary reform on Constitutional Principles'' ہے۔ یہ ۱۸۱۵ء میں گلاسکو سے شائع ہوئی۔ کمپنی نے لیسسٹر اسکوائر (Lecicester Square) پر واقع اورینٹل انسٹی ٹیوٹ میں پروفیسر کے عہدہ پر ان کی خدمات حاصل کیں۔ یہاں صرف طبی عہدہ دار ہی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان کی ذاتی درس گاہ بھی اس میں ضم ہوگئی۔ ۱۸۲۵ء میں جب کمپنی نے اپنی اعانت سے کھینچ لیا تو گل کرسٹ نے ایک کتاب ''The Oriental Occidental Tutionary Pioneer'' لکھی جس میں انہوں نے اپنے مالکوں اور ان کے رفقا سے اپنی ناگواری کا اظہار کیا تھا۔ گل کرسٹ ۱۸۲۶ء تک اس تعلیم گاہ میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۸۲۸ء میں انھوں نے دوبارہ پرائیویٹ طور سے تعلیم دینی شروع کی۔ دی ہندی مورل پرسپٹر (The Hindee Morl Preceptor) (تالیق ہندی) تاریخ ادب اردو کے مؤلفین کے لئے آج تک بڑی غلط فہمیوں کا سبب بنی ہوئی ہے۔ گل کرسٹ کی اس کتاب کا ایک نسخہ نیشنل لائبریری کلکتہ میں محفوظ ہے۔ ۹ جنوری ۱۸۴۱ء میں بمقام پیرس ان کا انتقال ہوگیا۔ (۲)

ولیم ہنٹر اسکاٹ لینڈ کے باشندہ تھے۔ ۱۷۸۱ء میں ۲۶ سال کی عمر میں ہندوستان آئے اور بحیثیت سرجن کام کرنے لگے۔ گل کرسٹ کی مراجعت کے بعد ۱۸۰۴ء میں انھیں کالج کونسل کے سیکرٹری کا بھی عہدہ ملا۔ ہنٹر نے ہندوستانی انگلش ڈکشنری مرتب کی تھی۔ اس کے علاوہ نیوٹسٹا منٹ پر بھی نظر ثانی کی۔ ہنٹر خود بھی ایک ہندوستانی انگریزی ڈکشنری تارنی چرن متر اور للو جی لال کی مدد سے ترتیب دے رہے تھے۔ یکم نومبر ۱۸۱۱ء کو ہنٹر نے کالج کونسل کے سیکرٹری کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور ۱۸۱۱ء ہی میں وہ جاوا چلے گئے جہاں ان کا انتقال ہوگیا۔

۲۰ فروری ۱۸۰۸ء میں Capt. Mount کے مستعفی ہو جانے کے بعد ۲۲ فروری ۱۸۰۸ء کو گورنر جنرل با جلاس کونسل نے کیپٹن جان ولیم ٹیلر (Capt. John William Tylor) کو ہندوستانی شعبہ کا پروفیسر منتخب کیا۔ ولیم ٹیلر نے ۲۷ نومبر ۱۸۲۰ء کے ایک خط میں ولیم ہنٹر کی ہندوستانی انگریزی لغت (نامکمل) کو مکمل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اس لئے گورنر جنرل با جلاس کونسل نے کیپٹن ولیم پرائس کو ان کی جگہ پر ہندوستانی پروفیسر کے عہدہ پر فائز کیا۔

تھامس روبک (Thomas Robuck) لن لتھ گروشائر (Linlith Grow Shire) میں ۱۷۸۴ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۸۰۱ء میں انگلستان سے ہندوستان میں وارد ہوئے۔ یہیں پر انہوں نے اردو زبان سیکھی۔ جب ۱۸۰۴ء میں ڈاکٹر گل کرائسٹ کالج کی صدارت اور اردو کی پروفیسری سے سبکدوش ہو گئے تو یہی ان کی جگہ پر مامور ہوئے۔ وہ ۱۸۱۶ء میں شعبہ ہندوستان میں بحیثیت عوضی ماتحت پروفیسر مقرر ہوئے۔ اپنی موت تک وہ کالج سے ہی وابستہ رہے۔ تھامس روبک نے کالج سے وابستہ ہونے کے قبل اور بعد میں کئی کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔

(۱) برٹش انڈین مونیٹر (British Indian Monitor) دو جلد ۱۸۰۹ء ایڈنبرا (۲) ہندوستانی اینڈ انگلش ڈائیلاگز (Hindoostanee and English Dialogues) ۱۸۰۹ء ایڈنبرا (۳) An English and

Hindoostani Dictionary with Grammar Prefixed ایڈنبرا ۱۸۰۹ء (۴) An English and Hindoostani Dictionary with Grammar Prefixed ایڈنبرا۔ دوسری جلد۔ ۱۸۰۹ء (۵) باغ و بہار کی ترتیب۔ ۱۸۱۳ء (۶) خرد افروز کی ترتیب ۱۸۱۵ء (۷) گل بکاؤلی کی تریب ۱۸۱۵ء (۸) برہان قاطع کی تصحیح ۱۸۱۸ء (۹) انالس آف دی کالج آف فورٹ ولیم ۱۸۱۹ء۔

اکتوبر ۱۸۱۳ء کو ولیم پرائس (William Price) سنسکرت، بنگلہ اور ہندوستانی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ ان کا مشاہرہ چار سو روپیہ تھا۔ فوجی بھتہ اس کے علاوہ انہیں ملتا تھا لیکن ۱۳۱ اکتوبر ۱۸۱۳ء کو ہندوستانی شعبہ کے پروفیسر ولیم ٹیلر نے اپنے شعبہ کے لئے الگ اسسٹنٹ پروفیسر کے تقرر کی درخواست کی۔ کالج کونسل نے اسے منظور کر لیا اور ۱۹ نومبر ۱۸۱۳ء کو رسل مارٹن (Capt. Russel Martin) اسسٹنٹ پروفیسر مقرر کئے گئے۔ ولیم ٹیلر ۲۳ مئی ۱۸۲۳ء میں جب لیفٹنٹ کرنل ہوئے تو ان کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئیں اور وہ شعبہ کا بار سنبھالنے سے معذور ہو گئے۔ جس کی بنا پر ولیم پرائس کو ۳۰ نومبر ۱۸۲۳ء میں شعبہ ہندوستانی کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ وہ ۱۸۳۱ء تک شعبہ سے وابستہ رہے۔ ان ایام میں ان کی مندرجہ ذیل کتابوں کا علم ہوتا ہے۔

(۱) کھڑی بولی اور انگلش کی لغت کی ترتیب (۲) پریم ساگر کی لغت کی ترتیب (۳) محمد صالح کی قواعد کا انگریزی ترجمہ ۱۸۲۳ء (۴) The Hindee and Hindoostanee Selections which are prefixed, Rudiments of Hindoostanee and Bruj Bhakha Grammar. کی ترتیب۔ ۱۸۲۷ء (۵) سبھا بلاس کی ترتیب۔ ۱۸۲۸ء (۶) چھتر سال کی ترتیب۔ ۱۸۲۹ء۔

۴ مئی ۱۸۰۱ء میں میر بہادر علی (حسینی) کا تقرر شعبہ ہندوستانی میں میر منشی کے عہدے پر ہوا تھا۔ یہ کالج کے پہلے میر منشی تھے۔ میر امن ان ہی کی وساطت سے فورٹ ولیم کالج میں بھرتی ہوئے تھے۔ ان کے والد کا نام سید عبداللہ کاظم بتایا جاتا ہے۔ حسینی شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی۔ نھوں نے فورٹ ولیم کالج کے زمانہ میں کئی کتابیں لکھیں جو کہ مندرجہ زیل ہے۔ ’’نثر بے نظیر‘‘ (۱۸۰۲ء) میر حسن کی مشہور زمانہ مثنوی ’’سحر البیان‘‘ کی کہانی کو نثر میں بیان کیا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت حسینی نے وہی فضا پیش کی ہے جو کہ سحر البیان کا خاصہ ہے۔ ’’اخلاق ہندی‘‘ (۱۸۰۱ء) حسینی نے جان گلکرسٹ کی فرمائش پر ’’مفرح القلوب‘‘ کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اور اس کا نام اخلاق ہندی رکھا ہے۔ ’’تاریخ آسام‘‘ (۱۸۰۵ء) بھی ترجمہ ہے یہ شہاب الدین طالش ابن ولی محمد کی فارسی تاریخ آسام کا اردو ترجمہ ہے۔ ’’رسالہ گلکرسٹ‘‘ (۱۷۹۶ء) دراصل گلکرسٹ کی کتاب ’’ہندوستانی زبان کے قواعد‘‘ کا خلاصہ ہے۔ ان تصانیف کے علاوہ بہادر علی ’’نقلیات لقمانی‘‘ کے مترجمین اور ترجمہ قرآن شریف کے معاونین میں بھی شامل تھے۔

میر شیر علی افسوس کے والد کا نام سید علی مظفر خاں تھا۔ یہ میر غلام مصطفیٰ کے بیٹے تھے۔ افسوس کے والد اور دادا محمد شاہ بادشاہ (۱۷۱۹ء۔ ۱۷۴۸ء) کے عہد میں نارنوں سے دہلی چلے آئے۔ افسوس ۱۷۴۶ء کے اواخر یا ۱۷۴۷ء کے اوائل میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ لیکن دہلی کی تباہی کے بعد افسوس لکھنو چلے گئے۔ کرنل اسکاٹ کی بدولت فورٹ ولیم کالج کے منشیوں میں بھرتی ہوئے۔ شیر علی افسوس کی تصانیف میں ’’باغ اردو‘‘ (۱۸۰۲ء) سعدی کی گلستان کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں سادگی کی کمی ہے اس میں عربی اور فارسی الفاظ کا استعمال زیادہ ہے۔ افسوس نے فارسی کے محاورے اور اسلوب کا موزوں اردو بدل تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس لئے کتاب میں نہ سلاست پیدا ہوئی ہے اور نہ ہی روانی اور بے تکلفی۔ اُن کی دوسری کتاب ’’آرائش

محفل'' (۱۸۰۵ء) ہے۔ یہ کتاب سجان رائے بٹالوی کی کتاب ''خلاصۃ التواریخ'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ تاریخ کی کتاب ہونے کے باجود اپنے سادہ اور پروقار اسلوب کی بناء پر ہمارے دور کے ادب کی کتابوں میں شامل ہونے لگی ہے۔ عبارت میں سلاست اور روانی اور بے تکلفی اس کتاب کا خاصہ ہے۔ گل کرسٹ نے تصیح کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ انھوں نے نثر بے نظیر، قصہ گل بکاؤلی (مذہب عشق) مادھونل، توتا کہانی، قصہ حاتم طائی (آرائش محفل) اور چار درویش (باغ و بہار) کو درست کیا۔ 'دیوان افسوس' افسوس کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) میں موجود ہے۔ ۱۹ دسمبر ۱۸۰۹ء میں کلکتہ میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

تارنی چرن متر شمالی کلکتہ میں ۱۷۷۱ء۔ ۱۷۷۲ء کے قریب پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم و تربیت بنگال ہی میں ہوئی۔ تارنی چرن متر عالم اور ماہر زباندان تھے۔ انہیں انگریزی، فارسی، عربی، سنسکرت اور اردو پر بے پناہ عبور حاصل تھا۔ شعبہ ہندوستانی میں تارنی چرن کا تقرر ابتدائی دور کے منشیوں کے ساتھ ہی منظور ہوا تھا۔ ستمبر ۱۸۰۱ء سے اپنے عہدہ پر کام کرنا شروع کیا تھا۔ ان کا مشاہرہ سو روپے ماہوار تھا۔ ۱۹ دسمبر ۱۸۰۹ء میں میر منشی شیر علی افسوس کا انتقال ہو جانے کے بعد ۲۱ دسمبر ۱۸۰۹ء سے تارنی چرن میر منشی مقرر ہوئے۔ ان کا مشاہیر دو سو روپے ہو گیا۔ کاظم علی جواں کو تارنی چرن کا سابق عہدہ ملا۔ تارنی چرن متر ''نقلیات لقمانی'' کے مترجمین میں شامل تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ''نقلیات ہندی'' کی تصیح کی تھی۔ وہ ''کلیات میر'' کے مرتبین میں شامل تھے۔ انہوں نے پرش پریکچھا کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہ روشن علی انصاری جونپوری کے فارسی ترجمہ خلاصۃ الحساب کی تصیح و نظر ثانی میں جان علی اور غلام اکبر کے ساتھ شامل تھے جس کے لئے انہیں ۱۲۳۵ روپے دیئے گئے۔ تارنی چرن متر فورٹ ولیم کالج کے ملازم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرے تعلیمی اداروں سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ وہ کلکتہ اسکول بک سوسائٹی کے دیسی سکریٹری تھے۔ سوسائٹی کی ۱۸۲۰ء۔ تارنی چرن ۱۸۳۰ء تک فورٹ ولیم کالج سے وابستہ رہے۔ یکم جون ۱۸۳۰ء میں سرکاری سیکرٹری پرنسپ کے ایک حکم نامہ کی رو سے تارنی چرن کو مذکرہ تاریخ میں پنشن کے قابل قرار دے کر شعبہ سے الگ کر دیا گیا۔

میر بخشش علی شعبہ ہندوستانی کے باقاعدہ ملازم تھے۔ ان کا نام کالج کونسل کی کاروائیوں میں اور ''انالس آف دی کالج آف فورٹ ولیم'' میں بخشش علی درج ہے۔ دیباچہ میں انہوں نے اپنا پورا نام سید بخشش علی فیض آبادی لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فیض آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کا تقرر نومبر ۱۸۰۳ء میں منشی کے عہدہ پر ہوا تھا۔ ان کا مشاہرہ اسی روپے ماہوار تھا۔ بخشش علی نے ''سیر المتاخرین'' کے ایک مخصوص حصے کا ترجمہ ''اقبال نامہ'' کے نام سے کیا تھا۔

میر امن کا اصل نام میر امان اور تخلص لطف تھا۔ لیکن میر امان کی جگہ میر امن کے نام سے مشہور ہوئے۔ میر امن کے بزرگ ہمایون بادشاہ کے عہد سے ہر بادشاہ کے عہد میں خدمات سرانجام دیتے چلے آئے تھے۔ ان خدمات کے صلے میں انھیں جاگیر و منصب وغیرہ عطا ہوئے۔ اس طرح میر امن کے بزرگ خوشحال زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن جب دہلی پر تباہی و بربادی آئی، تو میر امن بھی تلاش معاش کے لئے دہلی چھوڑ کر نکلے اور آخر کار بہادر علی حسینی نے وساطت سے میر امن نے گلکرسٹ تک رسائی حاصل کی۔ میر امن نے فورٹ ولیم کی ملازمت کے دوران دو کتابیں تحریریں کیں۔ ''باغ و بہار'' ((۱۸۰۳ء)) اور گنج خوبی (۱۸۰۳ء) جس میں سب سے زیادہ شہرت باغ و بہار کو ملی۔ ''باغ و بہار'' دراصل محمد عطا حسین تحسین کی فارسی کتاب ''نو طرز مرصع کا اردو ترجمہ ہے۔ باغ و بہار کو بے انتہاء شہرت حاصل ہوئی۔

حیدر بخش حیدری کے والد کا نام سید ابوالحسن تھا۔ حیدری کی پیدائش دہلی میں ہوئی۔ دہلی کر بربادی کے زمانے میں

حیدری کے والد دہلی سے بنارس چلے گئے۔ فورٹ ولیم کالج کے لئے ہندوستانی منشیوں کا سن کر حیدری ملازمت کے لئے کلکتہ گئے۔ ڈاکٹر گلکرسٹ تک رسائی کے لئے ایک ''قصہ مہر و ماہ'' بھی ساتھ لکھ کر گئے۔ گلکرسٹ نے کہانی کو پسند کیا اور اُن کو کالج میں بطور منشی مقرر کیا۔ وہ بارہ برس تک کالج سے منسلک رہے۔ فورٹ ولیم کالج کے تمام مصنفین میں سے سب سے زیادہ کتابیں لکھنے والے سید حیدر بخش حیدری ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد دس کے قریب ہے جن میں ☆ قصہ مہر و ماہ ☆ مثنوی لیلیٰ مجنوں (۱۸۰۱ء، ۱۲۱۵ھ) ☆ ہفت پیکر (۱۸۰۹ء) نظامی کی فارسی مثنوی 'ہفت پیکر'' کا ترجمہ ہے ☆ گلزار دانش (۱۸۰۴ء) عنایت اللہ کی فارسی تصنیف ''بہار دانش'' کا ترجمہ ہے ☆ تاریخ نادری (۱۸۰۹ء) ☆ گلدستہ حیدری (۱۸۰۱ء) ☆ گلشن ہند ☆ توتا کہانی ☆ آرائش محفل ☆ گل مغفرت (۱۸۱۲ء)۔ لیکن حیدری کی شہرت کا سبب اُن کی دو کتابیں ''توتا کہانی''، ''آرائش محفل ہیں۔ یہ دونوں کتابیں داستان کی کتابیں ہیں جو کہ جان گلکرسٹ کی فرمائش پر لکھی گئیں۔ ''طوطا کہانی'' جس طرح کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب مختلف کہانیوں کا ایک مجموعہ ہے جس کی سب کہانیاں ایک طوطے کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں 53 کہانیاں ہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک عورت اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں اپنے محبوب سے ملنے جانا چاہتی ہے۔ طوطا ہر روز اس کو ایک کہانی سنانا شروع کر دیتا ہے اور ہر روز باتوں باتوں میں صبح کر دیتا ہے۔ اور وہ اپنے محبوب سے ملنے نہیں جا سکتی حتی کہ اس دوران اس کا شوہر آ جاتا ہے۔ جہاں تک کتاب کے اسلوب کا تعلق ہے تو سادگی کے ساتھ ساتھ حیدری نے عبارت کو رنگین بنانے کے لئے قافیہ پیمائی سے بھی کام لیا ہے۔ اس کے علاوہ موقع اور محل کے مطابق اشعار کا بھی استعمال کیا ہے۔ توتا کہانی کی داستانوں میں جا بجا مسلمانوں کی معاشرت اور ان کے رہنے سہنے کی بھی جھلک پیش کی ہے۔ حیدری کی دوسری کتاب ''آرائش محفل'' ہے جو اپنی داستانوی خصوصیات کی بنا پر توتا کہانی سے زیادہ مقبول ہوئی۔ اس کتاب میں حیدری نے حاتم کے سات مہموں کو قصے کے انداز میں بیان کیا ہے۔ اور اسے فارسی سے ترجمہ کیا۔ لیکن اپنی طبیعت کے مطابق اس میں اضافے بھی کئے ہیں۔ جہاں تک اس کے اسلوب کا تعلق ہے تو زبان میں متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ساتھ سادگی اور بے تکلفی بھی پائی جاتی ہے۔ اس میں توتا کہانی کی طرح جان بوجھ کر محاورات کا استعمال نہیں کیا گیا۔ جبکہ داستان کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس میں وہ تمام لوازمات شامل ہیں جو کہ کسی داستان کا حصہ ہونے چاہیے اس لئے کتاب میں مافوق الفطرت عناصر کی فروانی ہے۔ (۳)

مظہر علی ولا کا اصل نام مرزا لطف علی تھا لیکن عام طور پر مظہر علی خان کے نام سے مشہور ہیں۔ مظہر علی ولا کا تعلق بھی دہلی سے تھا۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہاں تربیت پائی۔ ولا کے جد و پدر اصفہان کے باشندہ تھے۔ ولا کے دادا آقا محمد حسین اصفہانی کا خطاب علی قلی خاں تھا۔ یہ آقا صادق کے بیٹے تھے۔ ولا کے والد کا نام سلیمان علی خاں عرفیت مرزا محمد زماں اور تخلص و داد تھا۔ یہ اپنے والد کے بڑے بیٹے تھے۔ مظہر علی ولا نثر نگار اور شاعر تھے۔ اُن کو اردو، سنسکرت اور فارسی پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ ۱۸۰۰ء میں مارکولس ویلزلی کی دعوت پر کرنل اسکاٹ کے ذریعہ انہوں نے فورٹ ولیم کالج میں ملازمت حاصل کی۔ قیام کالج کے دوران انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ''مادھونل کام کندلا'' (۱۸۰۱ء) عشق و محبت کا قصہ ہے جس میں مادونل نامی ایک برہمن اور ایک رقاصہ کندلا کی داستان محبت بیان کی گئی۔ اس قصے کا اصل سنسکرت ہے برج بھاشا میں اس قصے کو موتی رام کوئی نے لکھا ہے۔ ولِا نے گلکرسٹ کی فرمائش پر اسے قصے کو برج بھاشا سے اردو میں ترجمہ کیا۔ ''ترجمہ کریما'' (۱۸۰۲ء) ولا کی دوسری کتاب ہے۔ جو شیخ سعدی کے مشہور پند نامہ کا منظوم ترجمہ ہے ہفت گلشن (۱۸۰۱ء) بھی ترجمہ ہے۔ والا نے گلکرسٹ کی فرمائش پر واسطی بلگرامی کی فارسی کتاب کو اردو میں ترجمہ کیا اس کتاب میں آداب معاشرت کے مختلف پہلوؤں کی تعلیم دی گئی ہے۔ ہر بات

کی وضاحت کے لئے موزوں حکایتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ ’’بیتال پچیسی‘‘ (۱۸۰۱ء) ولا کی مشہور کتاب ہے اس کتاب کے ترجمے میں ’’للولال‘‘ بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔ یہ پچیس کہانیاں ہیں جو برج بھاشا سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ کتاب میں فارسی کے الفاظ بہت کم ہیں۔ زبان ہندی آمیز ہے۔ اور سنسکرت کے الفاظ بکثرت ہیں جس کی وجہ سے عبارت سلیس و عام فہم بھی نہیں۔ ’’اتالیق ہندی‘‘ کی تالیف میں ولا کے علاوہ کالج کے کچھ دوسرے اہل قلم بھی شریک تھے۔ یہ کتاب اخلاقی اسباق اور کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ لطائف وظرائف، تاریخ شیر شاہی (۱۸۰۵ء)، جہانگیر شاہی (۱۸۰۹ء) کے مصنف اور مترجم تھے۔ انہوں نے ’’دہ مجلس‘‘ (محمد بخش) کی اصلاح بھی کی تھی۔ ۱۸۱۰ء میں انہوں نے اپنا دیوان کالج کو بطور تحفہ دیا تھا۔

مرزا کاظم علی جوان جن کا وطن دلی تھا۔ دلی کی تباہی کے بعد پھرتے پھراتے لکھنو آئے۔ لکھنو میں ان دنوں شعر و شاعری کی محفلیں گرم تھیں۔ بحیثیت شاعر انھوں نے بہت جلد مقبولیت حاصل کی۔ فورٹ ولیم کالج میں کرنل اسکاٹ کی وساطت سے ملازم ہوئے۔ جواں شکنتلا ناٹک (۱۸۰۱ء) جو کالی داس کے مشہور ڈرامے شکنتلا کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں جوان نے ہندوستانی معاشرت کی کہانی میں عربی اور فارسی کے الفاظ بلاتکلف استعمال کئے ہیں۔ کتاب کی عبارت مجموعی طور پر روزمرہ اور محاورے کے مطابق ہے۔ سنگھاسن بتیسی (۱۸۰۱ء) کے مترجم تھے۔ وہ ترجمۂ قرآن شریف کے معاونین میں شامل تھے۔ بارہ ماسہ (۱۸۰۳ء) جوان کی منظوم تصنیف ہے۔ ’’بارہ ماسہ‘‘ میں جوان نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تہواروں کا حال مثنوی کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے ’’تاریخ فرشتہ‘‘ (۱۸۰۷ء) کا ترجمہ کیا تھا۔ وہ انتخاب سودا اور کلیات میر کے مرتبین میں شامل ہے۔ ۳ جولائی ۱۸۱۶ء کو جواں کا انتقال ہوگیا۔ ولیم ٹیلر نے ان کی بیوہ اور بچوں کے لئے پنشن کی سفارش کی تھی مگر یہ منظور نہ ہوئی۔

للوجی لال کوی فورٹ ولیم کالج کے شعبہ ہندوستانی میں بھاکھا منشی تھے۔ للوجی کے والد کا نام چین سکھ تھا۔ للوجی کی پیدائش آگرہ میں ہوئی۔ ان کا سنہ پیدائش دریافت کرنے کی سب سے مضبوط بنیاد یہ ہے کہ ۱۹ دسمبر ۱۸۱۶ء کو سیکرٹری لاکٹ نے ایچ، دوڈ کے پاس کالج کی تفصیلات بھیجی تھیں۔ جس سے یہ علم ہوتا ہے کہ اس وقت للوجی کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔ اس حساب سے ان کا سن پیدائش ۱۷۶۲ء۔۱۷۶۴ء کے قریب متعین ہوتا ہے۔ فورٹ ولیم کالج کی شہرت انہیں کلکتہ کھینچ لائی۔ یہاں انہیں کامیابی بھی حاصل ہوئی اور وہ شعبہ ہندوستانی میں ملازم ہوگئے۔ للوجی بڑے فعال اور باصلاحیت تھے۔ انہوں نے گل کرسٹ کی فرمائش پر ۱۸۰۱ء میں چار کتابوں (سنگھاسن بتیسی، بتیاں پچیسی، سکنتلا ناٹک اور مادھونل) کو برج بھاشا سے ہندوستانی (اردو) میں منتقل کروایا۔ ان کے ساتھ مظہر علی خاں ولا اور کاظم علی جواں شریک تھے۔ للوجی نقلیات لقمانی کے مترجمین میں بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے راج نیتی، پریم ساگر، لطائف ہندی، برج بھاشا کی قواعد اور لال چندریکا بھی تالیف کی سبھا بلاس، مادھو ولاس اور چھتر پرکاش ان کے منظوم کارنامے ہیں شارداد یوی نے للوجی لال کو یکی ۱۸۱۳ء کی ایک تالیف ’’بدیا درپن‘‘ کا ذکر کیا ہے لیکن اس کتاب کی تفصیلات کا علم نہ ہوسکا۔ البتہ مرزائی بیگ نے ’’بدیا درپن‘‘ کے نام سے ’’اودھ بلاس‘‘ کا ترجمہ ضرور کیا تھا۔ اودھ بلاس پوربی زبان میں للوجی لال کی تصنیف ہے۔ ۱۸۲۴ء سے ۱۸۲۵ء کے درمیان للوجی نے وفات پائی۔

سید منصور علی سید منصور علی کے والد کا نام سید امام بخش حسینی موسوی سبزداری تھا۔ آبا و اجداد کا وطن سبزدار تھا۔ سید منصور علی غالباً ۱۸۰۱ء کے آس پاس ہی کلکتہ میں وارد ہوئے۔ اس لئے کہ شعبہ ہندوستانی میں ان کا تقرر فروری ۱۸۰۲ء میں منشی کے عہدہ پر ہوا تھا۔ ان کا مشاہرہ چالیس روپے تھا۔ یہاں وہ نوآموزان کو درس دیا کرتے تھے۔ ملازمت کے دوران انہوں نے ایک قصہ ’’بحر عشق‘‘ کے نام سے ترجمہ کیا۔ یہی ان کا واحد کارنامہ ہے۔ منصور علی ستمبر ۱۸۰۵ء تک تک تو قطعی طور سے کالج سے

وابستہ تھے۔ اس کے بعد انہوں نے کب ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کی اور کس جگہ وفات پائی اس کا پتہ نہیں چلتا۔

سدل مشر ضلع آرہ (شاہ آباد) کے گاؤں دھروڈیہا کے باشندہ تھے۔ یہ ۱۷۶۷ء۔ ۱۷۶۸ء کے قریب پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام نند منی مشر تھا۔ سدل مشر ''صاحبان عالی شان'' کی دریا دلی کا شہرہ سن کر کلکتہ آئے اور فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہوگئے۔ یہ شعبہ ہندوستانی میں بھاکھا منشی تھے۔ ان کا تقرر ۱۵ نومبر ۱۸۰۳ء کو عمل میں آیا تھا۔ مشاہرہ تیس روپے ماہوار تھا۔ سدل مشر کا انتقال ۱۸۴۷۔۱۸۴۸ء کے قریب ہوا۔ سدل مشر نے ''ناسکے تو پاکھیان'' کا ترجمہ ''چندراوتی'' کے نام سے اور ''ادھیاتم رامائن'' کا ترجمہ ''رام چرت'' کے نام سے کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ۱۸۰۹ء میں (Chindipersian Vocabulary) بھی مرتب کی تھی۔

خلیل علی خاں اشک کا پورا نام محمد خلیل علی خاں فیض آبادی اور اشک تخلص تھا۔ جائے پیدائش شاہ جہاں آباد (دہلی) تھی لیکن پرورش اور پرداخت فیض آباد میں ہوئی۔ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ چلے آئے۔ جواں کے توسط سے ہی اشک کی رسائی (اوائل ۱۸۰۱ء) گل کرسٹ تک ہوئی۔ کالج کی ملازمت کے دوران اشک نے چار کتابیں تالیف کیں جن کے نام ہیں۔ داستان امیر حمزہ۔ اکبر نامہ، گلزار چین اور رسالہ کائنات لیکن ان کی مشہور کتاب داستان امیر حمزہ ہے۔ اس کتاب میں اشک کی زبان بہت صاف اور سلیس ہے۔ جگہ جگہ پر مصنف نے قافیے سے کام لیا ہے۔ اور سیدھی سادی باتوں کو ادبی اور شاعرانہ انداز میں بیان کر کے اس کی دلکشی میں اضافہ کیا ہے۔ نیز قصے میں مقامی معاشرت کا رنگ بھی دکھایا گیا ہے۔ گل کرسٹ نے انہیں ہندوستانی شعبہ کے ماتحت منشیوں میں شامل کر لیا لیکن کالج کونسل سے ان کی ملازمت کی توثیق نہیں ہوئی تھی۔ زمرۂ منشیان میں شامل ہونے کے بعد اشک کی مصروفیات میں اضافہ ہوگیا۔ کالج کے کاموں کے علاوہ اشک کسی انگریز کو درس بھی دیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے راتوں کو محنت کر کے امیر حمزہ کی دو جلدیں مکمل کیں اور انہیں ایام میں ایک مختصر رسالہ ''کائنات جو'' تصنیف کیا۔ قصہ رضوان شاہ (نگار خانۂ چین) خلیل علی اشک نے ۱۸۰۱ء میں ''قصۂ رضوان شاہ'' تالیف کیا تھا۔ ''رسالہ کائنات'' جو اول اول گل کرسٹ کے ایما پر اپنے مربی ہربرٹ ہارنگٹن کے لئے ۱۸۰۲ء میں اردو میں تصنیف کیا۔ ۱۸۰۵ء میں Capt. Mount نے ہندوستانی شعبہ کے منشیوں کی فہرست مرتب کی تھی۔ یہ فہرست ۳۰ ستمبر ۱۸۰۵ء کی کالج کونسل کی کاروائی میں پیش ہوئی۔ اس میں دیگر منشیوں کے ساتھ خلیل علی خاں کا نام بھی شامل ہے اور ان کا مشاہرہ چالیس روپے درج ہے۔ اشک امیر حمزہ اور ''کائنات جو'' کے علاوہ قصہ رضوان شاہ، انتخاب سلطانیہ، کتاب واقعات اکبر اور منتخب الفوائد کے مصنف تھے۔ اشک کی وفات ۱۸۲۱ء، ۱۲۳۷ھ کے آس پاس ہوئی۔ وہ اپنے زمانے کے مجہول شاعر تھے۔ ان کی کتابوں میں شاعری کے جو نمونے خال خال نظر آتے ہیں وہ شاعری کا کوئی عمدہ اور معیاری نمونہ پیش نہیں کرتے۔

میر معین الدین فیض کے والد کا نام سید فخر الدین اور دادا سید زین العابدین تھے۔ یہ لوگ ''سادات حسنی الحسینی'' تھے۔ میر معین الدین کی پیدائش غالباً دہلی میں ہی ہوئی۔ انہوں نے تعلیم و تربیت بھی یہیں حاصل کی۔ جب دہلی پر پے در پے حملے ہونے لگے تو شرفاء نے دوسری جگہوں کو ملجا و ماویٰ بنایا۔ غازی پور سے گل کرسٹ کی واپسی کے بعد میر معین الدین کو وہاں اپنا کوئی قدردان نظر نہ آیا۔ حالانکہ ان کی زندگی کے دن کسی نہ کسی طرح کٹتے ہی جا رہے تھے بلکہ انہیں کے الفاظ میں وہ وہاں صرف ''خوش باش'' تھے لیکن مطمئن نہ رہ سکے۔ چنانچہ گل کرسٹ کے اخلاق، نوازش اور فن پروری پر بھروسہ کر کے وہ کلکتہ چلے آئے۔ یہاں میر منشی بہادر علی حسینی نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ہر طرح سے ان کے آرام اور ضروریات کا خیال رکھا۔ میر معین الدین ۹

اگست ۱۸۰۳ء میں ۳۰ روپے مشاہرہ پر منشی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ وہ شعبہ میں معلّمی کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ اپنی ملازمت کے دوران انہوں نے گل کرسٹ کی فرمائش پر شیخ فریدالدین عطار کے پند نامہ کا منظوم ترجمہ ’’چشمۂ فیض‘‘ کے نام سے کیا تھا۔ ’’چشمۂ فیض‘‘ ان کا منظوم کارنامہ ہے اس میں ان کی شاعری کا جو انداز سامنے آتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فیض کہنہ مشق اور بہت عمدہ شاعر نہیں تھے تاہم انہوں نے سیدھے سادے انداز میں پند و نصائح کو نظم کر دیا ہے۔

سید حمیدالدین بہاری کے سوانحی حالات دستیاب نہیں ’’خوان نعمت‘‘ کے دیباچے میں بھی انہوں نے اپنے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ شعبہ ہندوستانی میں حمیدالدین کا تقرر ۱۸۰۳ء میں منشی کے عہدہ پر ہوا تھا۔ ان کا مشاہرہ تیس روپے ماہوار تھا۔ حمیدالدین نے ’’خوان الوان‘‘ کا ترجمہ ’’خوان نعمت‘‘ کے نام سے کیا تھا۔ ۱۸۰۳ء کے بعد حمیدالدین کی زندگی کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا۔

شیخ امانت اللہ شیدا شعبہ ہندوستانی میں مترجم کے عہدہ پر فائز تھے۔ امانت اللہ شیدا ’’نقلیات لقمانی‘‘ اور ’’ترجمہ قرآن شریف‘‘ کے علاوہ ’’ہدایت الاسلام‘‘، ’’جامع الاخلاق‘‘ اور قواعد صرف اردو کے مصنف و مترجم تھے۔ امانت اللہ کے تراجم سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو عربی اور فارسی پر بے پناہ عبور حاصل تھا۔ امانت اللہ کب تک کالج سے وابستہ رہے اور کب ان کا انتقال ہوا، اس کے متعلق کوئی معلومات دستیاب نہ ہوسکی۔ البتہ ’’دیوان جہاں‘‘ (۱۸۱۳ء میں بینی نرائن نے جس انداز سے ان کا ذکر کیا ہے اس بنیاد پر یہ اندازہ قائم کیا جاسکتا ہے کہ وہ ۱۸۱۲ء میں کالج سے وابستہ تھے۔

غلام حیدر عزت نے اپنی واحد تالیف ’’حسن و عشق‘‘ (گل و ہرمز) میں بھی اپنے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ تھامس روبک نے غلام حیدر کو دیسی لائبریرین (Natine Librarian) لکھا ہے اور ان کا سن تقرر ستمبر ۱۸۰۱ء درج کیا ہے۔ ۱۸۲۵ء میں باقاعدہ ملازم تھے اور درس و تدریس کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ یکم مئی ۱۸۴۴ء میں غلام حیدر شعبۂ فارسی اور ہندوستانی میں سررشتہ دار کے عہدہ پر فائز ہوئے تھے اور ان کا مشاہرہ چالیس روپے تھا۔ کالج کونسل نے ۶ جون ۱۸۴۴ء کو ان کے مذکورہ عہدے کی توثیق کر دی تھی۔

مرزا جان طپش کا نام مرزا محمد اسمٰعیل اور لقب مرزا جان تھا۔ طپش تخلص کرتے تھے۔ یہ اپنے لقب سے ہی مشہور ہوئے۔ طپش کی پیدائش دہلی میں ہی ہوئی۔ طپش کی تعلیم و تربیت دہلی میں ہی ہوئی۔ عربی اور فارسی کے علاوہ انہوں نے سنسکرت زبان کا علم بھی حاصل کیا تھا۔ خط شفیعا، نستعلیق اور صرانی میں ان کو مہارت حاصل تھی۔ ’’گلزار مضامین‘‘ ۱۷۸۵۔۸۲ء، ۱۱۹۹ھ کو مرتب کیا۔ نساخ نے ’’گلزار مضامین‘‘ کو طپش کا دیوان کہا ہے لیکن گارسن دی تاسی نے اسے طپش کی چھوٹی چھوٹی نظموں کا مجموعہ بتایا ہے۔ ۱۸۰۸ء میں بہ عہد جان ولیم ٹیلر فورٹ ولیم کالج کے شعبۂ ہندوستانی سے وابستہ ہوگئے۔ شعبہ میں کتابوں پر نظر ثانی کا کام طپش کے سپرد تھا۔ انھوں نے بہار دانش کو بعض انسانوں کے ساتھ شعبہ میں دے دیا تھا۔ ۱۸۱۱ء میں کالج نے ایک کثیر رقم بطور انعام دے کر ان کا کلیات خریدا تھا۔ طپش کلیات میر کی ترتیب میں بھی شامل تھے۔ طپش غالباً ۱۸۱۱ء تک ہی شعبہ سے وابستہ رہے۔ بہر حال ۱۸۱۶ء۔۱۸۱۷ء کے قریب ان کا انتقال ہوگیا تھا۔

نور علی موضع چھتلا ضلع ہگلی کے باشندہ تھے۔ ان کے والد کا نام سید نذر علی تھا۔ سید نذر علی ملازمت کرنا کسر شان سمجھتے تھے اور پیری مریدی میں گزارہ کرتے تھے۔ یہی واحد ذریعہ معاش تھا۔ نور علی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کلکتہ آئے۔ اتفاقاً ان کی ملاقات کاظم علی جواں سے ہوئی۔ چنانچہ انہیں کے فیض تعلیم سے یہ زبان اردو کے محاوروں اور دیگر رموز و نکات سے واقف

ہوئے۔ جواں ہی کے توسط سے نور علی کی رسائی فورٹ ولیم کالج تک ہوئی اور یہ شعبہ ہندوستانی کے منشیوں میں شامل ہو گیا۔ نور علی نے فارسی مثنوی ’’نل ومن‘‘ کا ترجمہ وتخلیص ’’بہارِ عشق‘‘ کے نام سے کیا وہ ’’نقلیات لقمانی‘‘ کی تصحیح میں بھی شامل تھے۔

سید علی، میر شیر علی افسوس کے بیٹے تھے۔ ان کے سوانحی حالات دستیاب نہیں۔ جاوید نہال نے سید علی کو کالج کا بے ضابطہ ملازم قرار دیا ہے۔ سید علی نے ’’گلشن اخلاق‘‘ کو ولیم ٹیلر کے سامنے پیش کیا تھا لیکن وہ باضابطہ ملازم تھے۔ شعبۂ ہندوستانی میں ۲۱ دسمبر ۱۸۰۹ء کو ۴۰ روپے ماہوار مشاہرے پر ان کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ ’’گلشن اخلاق‘‘ ان کی واحد تالیف ہے۔ ۱۸۱۶ء میں ٹیلر اور مارٹن نے بعض منشیوں کا فارسی اور ہندوستانی زبانوں کا امتحان لیا تھا۔ ان منشیوں میں سید علی بھی شامل تھے۔ اس وقت ان کا مشاہرہ ساٹھ روپے ماہوار تھا۔ بعد میں سید علی شعبۂ فارسی سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اس کی تصدیق یوں ہوتی ہے کہ جون ۱۸۳۰ء میں سیکرٹری رڈیل نے جتنے منشیوں کی تفصیلات سرکار کے پاس بھیجیں اس میں شعبہ فارسی کے ذیل میں سید علی کا نام اور چالیس روپے مشاہرہ درج ہے۔

بنی نرائن جہاں کا وطن لاہور تھا۔ لاہور میں پیدا ہوئے یہیں تعلیم حاصل کی۔ گردش زمانہ کے ہاتھوں کلکتہ پہنچے۔ انھوں نے کل دو کتابیں تصنیف کیں۔ ’’چار گلشن‘‘ ایک عشقیہ داستان ہے جس میں شاہ کیواں اور فرخندہ کی محبت کا ذکر ہے۔ یہ کسی داستان کا ترجمہ نہیں بلکہ اُن کی اپنی طبع زاد ہے۔ ’’دیوان جہاں‘‘ اردو شعراء تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ بنی نرائن جہاں نے کپتان روبک کی فرمائش پر مرتب کیا۔ بنی نرائن ۱۸۰۰ء، ۱۲۱۵ھ میں کلکتہ آ گئے تھے۔ تقریباً انہیں دنوں فورٹ سلیم کالج قائم ہوا تھا لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر انہیں کوئی ملازمت نہ مل سکی اور تقریباً گیارہ برس تک بیکار رہے۔ ۱۸۱۰ء، ۱۲۲۵ھ میں بنی نرائن نے منشی امام بخش کی تحریک پر ’’چار گلشن‘‘ تالیف کی۔ بنی نرائن کالج کے باضابطہ ملازم نہیں تھے۔ وقتاً فوقتاً کسی عہدہ دار کی فرمائش پر یا اپنی مرضی سے کتابیں تالیف کر کے صاحبان کونسل کے سامنے پیش کرتے اور انعام حاصل کرتے۔ بنی نرائن نے کالج کے لئے تھامس روبک کی فرمائش پر صرف ایک کتاب ’’دیوان جہاں‘‘ مرتب کی۔ بنی نرائن چار گلشن، بہار عشق، گلزار حسن، دیوان جہاں، تفریح طبع، قصہ گل صنوبر، (نو بہار)، باغ عشق اور تنبیہ الغافلین کے مرتب، مترجم اور مؤلف تھے۔ بنی نرائن کا تخلص جہاں تھا۔ شاعری کے میدان میں بنی نرائن کا مرتبہ بہت بلند نہیں۔

کندن لال کے سوانحی حالات دستیاب نہیں۔ کالج کونسل کی ۴ مئی ۱۸۰۱ء کی کاروائی میں کندن لال کا نام بحیثیت منشی اور تنخواہ چالیس روپے ماہوار درج ہے لیکن شاید بعد میں انہیں شعبہ ہندوستانی سے الگ کر دیا گیا تھا اس لئے کہ ۹ ستمبر ۱۸۰۳ء میں گل کرسٹ کی جانب سے تصانیف پر انعام کے لئے پیش کی گئی فہرست میں کندن لال کی واحد تالیف ’’کلا کام‘‘ بھی شامل ہے۔ واضح ہو کہ یہ فہرست ان مصنفین کی تصانیف پر مشتمل ہے جو شعبہ کے باتنخواہ ملازم نہیں تھے۔ عتیق صدیقی ’’گل کرسٹ اور اس کا عہد‘‘ میں صفحہ ۱۷۸ (طبع ثانی) پر کندن لال کا نام کالج کے بے ضابطہ مصنفین کی فہرست میں درج کرتے ہیں۔ حالانکہ صفحہ ۱۲۱ پر عتیق صاحب نے کالج کونسل کی کاروائی کے حوالے سے انہیں باقاعدہ ملازم بتایا ہے اور صفحہ ۱۷۶ پر ان کے تقرر کی تاریخ ۴ مئی ۱۸۰۱ء مشاہرہ چالیس روپے۔

توتا رام شعبہ ہندوستانی کے باضابطہ ملازم نہیں تھے۔ ان کے حالات زندگی کہیں نہیں ملتے۔ انہوں نے اپنی واحد تصنیف ’’دل رُبا‘‘ میں بھی اپنے حالات قلم بند نہیں کئے بلکہ اپنا نام تک لکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے۔ گل کرسٹ کی ۹ ستمبر ۱۸۰۳ء کی فہرست میں چونکہ ’’دل رُبا‘‘ بھی شامل تھی اس لئے اس فہرست سے ہی ’’دل رُبا‘‘ کے مصنف توتا رام کے نام کا علم

ہوتا ہے۔ قصہ دل آرام و دل رُبا تو تارام ی طبع زاد تصنیف ہے۔ اسے انہوں نے ۱۸۰۳ء میں تصنیف کیا تھا۔ قصے کے منظوم اختتام سے سنہ ہجری و عیسوی کا علم ہوتا ہے۔

شیخ حفیظ الدین احمد کے والد کا نام شیخ ہلال الدین محمد تھا۔ یہ شیخ محمد ذاکر کے بیٹے تھے۔ ان کے خاندان کے بزرگ عرب سے ترک وطن کر کے ہندوستان آئے اور دکن کو اپنا وطن بنایا۔ حفیظ الدین احمد نے بیس برس کی عمر تک ''مدرسہ کمپنی'' میں عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی چونکہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے فوراً کالج میں ملازمت حاصل کر لی تھی۔ ۴مئی ۱۸۰۱ء میں فورٹ ولیم کالج کے شعبہ فارسی میں ماتحت منشی مقرر ہوئے۔ ان کا مشاہرہ چالیس روپے ماہوار تھا۔ شیخ حفیظ الدین نے فورٹ ولیم کالج میں درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا۔ ان کی مشہور کتابوں میں ابوالفضل کی کتاب 'عیار دانش'' کا ترجمہ اردو ترجمہ ہے۔ انھوں نے اس کا نام خرد افروز رکھا۔ حفیظ کا ترجمہ اپنی سادگی۔ صفائی اور شگفتگی کی بنا پر بہت پسند کیا گیا۔

اکرام علی کا سلسلہ حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ اکرام علی کا سلسلہ بابا فرید شکر گنجؒ سے بھی ملتا ہے۔ حصول علم کے بعد وہ ابراہم لاکٹ کے توسط سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ہو گئے۔ ابراہم لاکٹ نے اکرام علی کو اپنے پاس متعین کر لیا۔ ڈاکٹر گل کرائسٹ کے زمانے میں نہ ہو سکا بلکہ انہیں کالج کے شعبہ تالیف و تصنیف میں کام کرنے کا موقع اس وقت ملا جب کالج کی عنان اقتدار صحیح معنوں میں ان کے شاگرد رشید کپتان ابراہیم لاکٹ کے ہاتھ میں پہنچی۔ اسی لئے جب وہ شعبہ ہندوستانی کے قائم مقام پروفیسر ۱۸۰۹ء مقرر ہوئے تب اس مدت میں انہوں نے اکرام علی کو ''اخوان الصفاء'' کا ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ اس کام میں ولیم ٹیلر کی رضامندی بھی شامل تھی۔ یہ ترجمہ ۱۸۱۰ء میں مکمل ہوا۔ اکرام علی تقریباً ۱۸۱۹ء یا ۱۸۲۰ء تک کالج سے وابستہ رہے۔ ان کا انتقال ۱۸۳۶ء، ۱۲۵۲ھ میں اجمیر میں ہوا۔ نادم ستیا پری نے اکرام علی کو فارسی کا خوش فکر قرار دیا ہے اور نامی کا شاگرد بتایا ہے۔ (۴)

مرزا علی لُطف کے والد کا نام کاظم بیگ خاں تھا۔ جو فارسی کے اچھے شاعر تھے اور ہجری تخلص کرتے تھے۔ ان کا وطن اس طرح آباد تھا۔ انھوں نے گل کرسٹ کی فرمائش پر چند ماہ کی ریاضتوں کے بعد ۱۸۰۱ء میں ''تذکرہ گلزار ابراہیم'' کو ''گلشن ہند'' کے نام سے تالیف کیا۔ اس کے بعد وہ حیدر آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔ لطف نے بقیہ عمر حیدر آباد ہی میں گزاری۔ یہاں کے علمی و ادبی حلقوں میں وہ خاصے مقبول تھے۔ یہیں ۱۸۲۲ء، ۱۲۳۸ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ لطف کے دو بھائی مرزا علی رض اور حاجی مرزا خاں تھے۔ ان کا شمار حیدر آباد کے مشہور سوز خوانوں میں ہوتا تھا۔ لطف اپنے عہد کے اچھے اور پر گو شاعر تھے۔ انہوں نے تقریباً سبھی اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ لطف کی غزلوں میں شیرینی اور شستگی بھی ہے، سوز و گداز بھی اور گہرائی اور تاثیر بھی۔ مضامین کے انتخاب میں انہوں نے نفاست اور سلیقے کا ثبوت دیا ہے۔

نہال چند لاہوری کے اجداد کا تعلق دہلی سے تھا۔ دلی کی تباہی کے بعد نہال چند لاہور چلے گئے اس لئے لاہوری کہلائے۔ کالج میں ڈیوڈ رابرٹ سن (David Robert Son) کی وساطت سے ملازم ہوئے۔ نہال چند لاہوری نے ''گل بکاولی'' کے قصے کو فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ''مذہب عشق'' رکھا۔ مترجم نے اپنے ترجمے کو اصل سے قریب رکھتے ہوئے تکلفات سے بچنے کی کوشش کی ہے۔ مترجم نے لفاظی کی جگہ سادگی اختیار کر کے قصے کو دلچسپ اور عام فہم بنا دیا ہے۔

محمد بخش فورٹ ولیم کالج کے باضابطہ ملازم نہیں تھے۔ ان کے سوانحی حالات دستیاب نہیں۔ جاوید نہال نے محمد بخش کو اردو اور فارسی شعبے کا ملازم لکھا ہے۔ یہ اطلاع درست نہیں۔ ۱۳ستمبر ۱۸۰۳ء کی کالج کونسل کی کاروائی میں گل کرسٹ کا ۹ستمبر

۱۸۰۳ء کا مراسلہ پیش کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک فہرست منسلک تھی جس میں ان مصنفین کی تصانیف پر انعام کی سفارش کی گئی تھی جو کالج کے باقاعدہ ملازم نہیں تھے، اس فہرست میں محمد بخش کا ''قصہ فیروز شاہ'' بھی شامل ہے۔ محمد بخش سے تین نثری کارنامے منسوب ہیں۔ دہ مجلس، قصہ فیروز شاہ اور قصہ فرعون۔

باسط خاں باسط باسط خاں کے آباو اجداد دہلی میں بادشاہوں کے دربار میں سپہ گر ہوا کرتے تھے۔ باسط خاں کی پیدائش شاہ عالم ثانی کے عہد (۱۷۵۹ء۔۱۸۰۶ء) میں ہوئی۔ باسط خاں شعبہ ہندوستانی کے باقاعدہ ملازم نہیں تھے۔ گل کرسٹ کی ۹ستمبر ۱۸۰۳ء کی فہرست میں باسط خاں کی ''گل صنوبر'' شامل ہے۔ واضح ہو کہ یہ فہرست بے ضابطہ ملازمین کی تصانیف پر مشتمل تھی۔ باسط خاں نے گل کرسٹ کی فرمائش پر ایک مجموعہ ''گلشن ہند'' مرتب کیا تھا۔ ''گلشن ہند'' میں ''قصہ گل صنوبر''، ''قصہ حسن ملوک'' اور چند نقلیں شامل ہیں۔

حاجی مرزا مغل نشاں کے آباو اجداد عرب کے رہنے والے تھے۔ مرزا مغل لکھنو میں پیدا ہوئے۔ ان کا تخلص نشاں تھا۔ یہ کاظم علی جواں کے شاگرد تھے۔ مرزا مغل نے کربلائے معلیٰ کی زیارت کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔ فورٹ ولیم کالج کی شہرت اور صاحبانِ عقل شان کی قدر دانی کی خبر سن کر کلکتہ چلے آئے۔ یہاں آ کر گل کرسٹ سے ملاقات کی۔ گل کرسٹ نے انہیں ''بوستان سعدی'' (۱۸۰۳ء) کو اردو میں ترجمہ کرنے کا مشورہ دیا۔ مرزا مغل نے دو مہینے کے عرصے میں رات دن محنت کر کے ترجمہ مکمل کیا اور ''باغ سخن'' نام رکھا۔ ''باغ سخن'' پر مرزا مغل کو چار سو روپے کا انعام دیا۔

میر ابوالقاسم کے آباو اجداد ایران کے باشندے تھے جو بعد میں ترکِ وطن کر کے ہندوستان میں آباد ہو گئے۔ میر ابو القاسم کلکتہ کے رہنے والے تھے۔ جاوید نہال تو یہ لکھتے ہیں کہ ابوالقاسم سبزواری کا حال کہیں نہیں ملتا اور دوسری جانب بغیر کسی حوالے کے ان کے آبا و اجداد کو سبزوار کا باشندہ قرار دے کر ان کا ترکِ وطن کر کے ہندوستان آنا اور دہلی میں قیام کے بعد انتشار و خلفشار کے سبب کلکتہ میں آمد درج کرتے ہیں۔ میر ابوالقاسم کالج کے باضابطہ ملازم نہیں تھے۔ شعبہ ہندوستانی کی تصانیف میں ان کی تصنیف ''حسن اختلاط'' شامل ہے۔

محمد علی کے والد کا نام سید نثار علی ترمذی نانوتوی تھا۔ محمد علی آصف الدولہ کے عہد میں نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں کے چودہ سال تک مصاحب رہے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ محمد علی نے فورٹ ولیم کالج کے شعبۂ ہندوستانی سے انعام حاصل کرنے کے لئے فردوسی کے شاہنامہ کی تلخیص ''شمشیر خانی'' کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا اور ''شہنامۂ ہندی'' نام رکھا تھا۔ محمد علی شعبہ کے باقاعدہ ملازم نہیں تھے۔

نور خاں کے والد کا نام محمد قائم خاں تھا۔ وہ احمد شاہ بادشاہ کے ملازم تھے اور سلیم گڑھی میں داروغہ کے عہدہ پر فائز تھے۔ جب محمد قائم خاں صفدر جنگ سے لڑائی میں مارے گئے تب نور خاں پر بادشاہ کی نظرِ عنایت ہوئی۔ فورٹ ولیم کالج اور صاحبان عالی شان کی دریا دلی کا شہرہ سن کر کلکتہ آئے اور چھ ہزار بیت کی ایک مثنوی انعام حاصل کرنے کے لئے کالج کونسل کے سامنے پیش کی لیکن انعام حاصل نہ ہو سکا۔ چنانچہ انہوں نے یہ قصہ نثر میں ''قصۂ بلند اختر'' کے نام سے لکھا۔ یہ شعبہ ہندوستانی کے باقاعدہ ملازم نہیں تھے۔

مرزائی بیگ فورٹ ولیم کالج کے بے ضابطہ ملازم تھے۔ یہ اودھ کے رہنے والے تھے۔ کلکتہ آ کر انہوں نے ''اودھ ولاس'' کا ترجمہ ''بدیا درپن'' کے نام سے تھامس روبک کی نگرانی میں انجام دیا تھا۔ یہ ''خرد افروز'' کی نظرِ ثانی میں بھی شریک

تھے۔ (۵)

اس کالج کے ماتحت جو علمی و ادبی تخلیقات ہوئیں جہاں وہ ایک طرف علمی و ادبی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں تو دوسری طرف ان کی اہمیت و افادیت اس بناء پر بھی ہے کہ ان تخلیقات نے اردو زبان و ادب کے مستقبل کی تعمیر و تشکیل میں بڑا حصہ لیا۔ خصوصاً ان تخلیقات نے اردو نثر اور روش کو ایک نئی راہ پر ڈالا۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے قبل اردو زبان کا نثری ذخیرہ بہت محدود تھا۔ اردو نثر میں جو چند کتابیں لکھی گئی تھیں ان کی زبان مشکل، ثقیل اور بوجھل تھی۔ رشتہ معنی کی تلاش جوئے شیر لانے سے کسی طرح کم نہ تھی۔ فارسی اثرات کے زیر اثر اسلوب نگارش تکلف اور تصنع سے بھرپور تھا۔ ہر لکھنے والا اپنی قابلیت جتانے اور اپنے علم و فضل کے اظہار کے لئے موٹے موٹے اور مشکل الفاظ ڈھونڈ کر لاتا تھا۔ لیکن فورٹ کالج کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے اردو نثر کو اس پرتکلف انداز تحریر کے خارزار سے نکالنے کی کامیاب کوشش کی۔ سادگی، روانی، بول چال اور انداز، معاشرے کی عکاسی وغیرہ اس کالج کے مصنفین کی تحریروں کا نمایاں وصف ہے۔ فورٹ ولیم کالج کی بدولت تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ ترجمے کی اہمیت بھی واضح ہوئی۔ منظّم طور پر ترجموں کی مساعی سے اردو نثر میں ترجموں کی روایت کا آغاز ہوا اور انیسویں اور بیسویں صدی میں اردو نثر میں ترجمہ کرنے کی جتنی تحریکیں شروع ہوئیں ان کے پس پردہ فورٹ ولیم کا اثر کارفرما رہا۔ فورٹ ولیم کالج کی بدولت تصنیف و تالیف کے کام میں موضوع کی افادیت اور اہمیت کے علاوہ اسلوب بیان کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ یہ محسوس کیا گیا جس قدر موضوع اہمیت کا حامل ہے اسی قدر اسلوب بیان، اسلوب بیان کی سادگی، سلاست اور زبان کا اردو روزمرہ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ تاکہ قاری بات کو صحیح طور پر سمجھ سکے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ مطالب کو سادہ، آسان اور عام فہم زبان میں بیان کیا جائے۔ فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کی مساعی کی بدولت اردو زبان بھی ایک بلند سطح پر پہنچی۔ فورٹ ولیم کالج کی اردو تصانیف سے قبل اردو زبان یا تو پرتکلف داستان سرائی تک محدود تھی یا پھر اسے مذہبی اور اخلاقی تبلیغ کی زبان تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن فورٹ ولیم کالج میں لکھی جانے والی کتابوں نے یہ ثابت کر دیا کہ اردو زبان میں اتنی وسعت اور صلاحیت ہے کہ اس میں تاریخ، جغرافیہ، سائنس، داستان، تذکرے، غرضیکہ ہر موضوع اور مضمون کو آسانی سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ وقار عظیم، پروفیسر، فورٹ ولیم کالج تحریک اور تاریخ، لاہور: یونیورسل بکس، نومبر ۱۹۸۶ء، ص:۲۲

۲۔ شہناز نبی، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج اور حسن اختلاط، کولکاتا: کوالیٹی ویکس آفسیٹ پرنٹرز، بارِ اوّل، ۲۰۰۳ء، ص:۳۴

۳۔ عفت زریں، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج کی نثری داستانیں: ایک تہذیبی مطالعہ، دہلی: مرکری پرنٹرز، بارِ اول، ۱۹۹۲ء، ص:۱۰۲

۴۔ نادم سیتاپوری، فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی، لکھنؤ: سرفراز پریس، ۱۹۵۹ء، ص:۵۷

۵۔ عبیدہ بیگم، ڈاکٹر، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، لکھنؤ: نصرت پبلشرز، حیدری مارکیٹ، نزد گل مرگ ہوٹل، ۱۹۸۳ء، ص:۲۱۱

☆……☆……☆